ڈاکٹر رؤف پاریکھ، کراچی
drraufparekh@yahoo.com

تحقیقِ الفاظ و اشتقاق اور ان کی اُردو فرہنگیں

ایک عام تاثر یہ ہے کہ اردو میں بعض موضوعات پر کتابیں یا تو بالکل نہیں لکھی گئیں یا اردو میں ان موضوعات پر اتنی اور ایسی کتابیں موجود نہیں ہیں جتنی اور جیسی انگریزی میں ہیں۔ اس ضمن میں خاص طور پر اشتقاقِ الفاظ (etymology) اور لفظوں کی تاریخ (word histories) کے موضوع پر اردو میں کتابوں کی عدم دست یابی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اردو میں الفاظ کی تاریخ اور اشتقاقیات پر بھی خاصی کتابیں لکھی گئی ہیں، اگرچہ اتنی تو نہیں جتنی انگریزی میں لیکن اردو بھی اس معاملے میں تہی دست نہیں ہے۔ اس مقالے میں ہم اردو میں الفاظ کے اشتقاق اور ان کی اصلیت کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں رلغات کا جائزہ لیں گے تاکہ یہ دیکھا جاسکے کہ اردو میں اس موضوع پر کب سے کام شروع ہوا اور کس کس نے کیا لکھا۔ اردو میں موجود اشتقاقیات کی کتب رلغات پر ایک نظر ڈالنے سے پہلے یہ دیکھنا مناسب ہوگا کہ اشتقاقیات سے کیا مراد ہے۔

علمِ اشتقاق یا اشتقاقیات (etymology)

علمِ اشتقاق یا اشتقاقیات کو انگریزی میں اٹیمولوجی (etymology) کہتے ہیں۔ یہ علم دراصل الفاظ کی تاریخ کی تحقیق ہے[۱]۔ یہ علم یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ کسی لفظ نے ماضی میں ارتقا کے سفر کے مختلف مراحل میں کیا کیا شکلیں اختیار کیں، تاریخ کے مختلف ادوار میں اس لفظ کے بدلتے مفاہیم کیا تھے اور ایک زبان سے دوسری زبان میں اس لفظ نے کس طرح اور کس شکل و معنی کے ساتھ سفر کیا[۲]۔

البتہ لفظ etymology کے معنی علمِ اشتقاق یا اشتقاقیات کے علاوہ بھی ہیں اور وہ معنی ہیں کسی لفظ کی تاریخ۔ جب ہم کہتے ہیں "فلاں لفظ کا اشتقاق" تو اس کا مطلب ہے اس ایک لفظ کی تاریخ[۳]۔ گویا اشتقاق کے مفہوم میں لفظ کی اصل کے ساتھ اس کی تاریخ بھی شامل ہے کیونکہ بعض اوقات کسی لفظ کی تاریخ ہی سے اس کی اصل کا سراغ ملتا ہے۔

لفظ etymology کے استعمال کو دیکھا جائے تو انگریزی میں اس کے مختلف مفہوم مختلف زمانوں میں رائج رہے ہیں اور لوگ مختلف حالات میں اس کا مفہوم اپنے تناظر میں لیتے رہے ہیں، مثلاً ایک زمانے میں مشرقی یورپ اور خاص طور پر بازنطینی اہلِ علم کے ہاں etymology سے وہ مفہوم مراد لیا جانے لگا جو اب ہم صَرف (morphology) اور لفظوں کی تصریف (inflection) یا گردان (conjugation) سے لیتے ہیں، اگرچہ اس لفظ کے استعمال میں "اصل معنی" کا مفہوم ہمیشہ شامل رہا ہے[۴]۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کسی بھی لفظ کا مفہوم ماضی کے اثرات سے مکمل طور پر آزاد اور جدا ہوسکتا ہے اور ایک لفظ کا مفہوم کسی رمز یا ایمائیت کا حامل بھی ہوجاتا ہے[۵]۔ جس طرح کسی بصری علامت (مثلاً عیسائیت کے لیے صلیب، اسلام کے لیے ہلال اور اشتراکیت کے لیے درانتی اور ہتھوڑا) کا ایک خاص مفہوم ہوتا ہے اور وہ علامت اس ظاہری شے کی بجائے کسی اور شے کی نمائندگی کر رہی ہوتی ہے اسی طرح کسی لفظ میں بھی کوئی ایسے گہرے معنی چھپے ہوئے ہوسکتے ہیں جو کسی خاص تناظر میں کچھ اور ہی پیغام دے رہے ہوں[۶]۔ ایسے لفظوں کے چھپے ہوئے معنوں کا علم ان لفظوں کی تاریخ سے ہوسکتا ہے۔
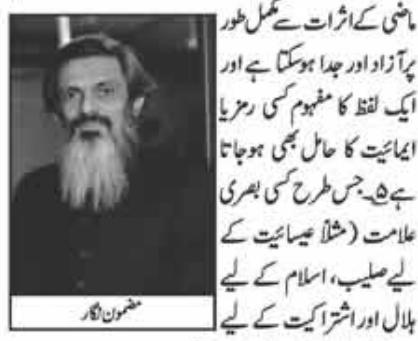
مضمون نگار

مختلف علوم بالخصوص تاریخ کے مطالعے میں لسانی تحقیق کے عنصر کے آنے سے یہ ہوا کہ کسی لفظ کے اشتقاق یا اصل (etymology) کا مفہوم لفظ کے "پچھلے یا پرانے معنی" یا "پچھلے مصدقہ معنی" ہوگیا بلکہ اس لفظ (یعنی etymology یا اشتقاق) کو ایک اور معنی میں بھی برتا جانے لگا ہے اور وہ معنی ہیں: "قدیم معنی جن کی تشکیلِ نو ہوسکتی ہو"[۷]۔ اس طرح جدید علمِ اشتقاقیات کی حیثیت ایک ایسے علم کی ہوگئی جو لفظوں اور ناموں کے بارے میں تاریخی معلومات کے ریزے ریزے جوڑ کر ان کی اصل کی شناخت کرتا ہے اور ان کو ان کے پرانے اور پراسرار مفاہیم سے الگ کرکے ان کے اصلی اور قدیم ترین معنی تک پہنچتا ہے[۸]۔ چنانچہ اب کسی کو اپنے اشتقاقی تجسس کی تسکین کرنی ہوتی ہے تو وہ اشتقاقی لغت (etymological dictionary) سے رجوع کرتا ہے جو اسے بتاتی ہے کہ کوئی لفظ پہلے کیا شکل رکھتا تھا (یعنی اس کا املا یا تلفظ وغیرہ کیا تھے)، اس کا کیا مفہوم تھا اور تاریخ کے مختلف ادوار میں اس نے کیا کیا روپ بدلے، اور اس کے موجودہ معنی سے قبل یہ کون کون سے مفاہیم کا حامل رہا ہے[۹]۔ اس ضمن میں یہ دریافتیں بھی ہوئی ہیں کہ کون کون سے لفظ ایک زبان سے ہجرت کرکے دوسری زبانوں میں گئے اور یہ بھی کہ کچھ لفظ مسلسل ہجرت میں ہیں اور اسی لیے انھیں "ہجرتی لفظ" (migratory word) کا نام دیا گیا ہے، مثلاً اناطولی لبرمین (Anatoly Liberman) نے اپنی کتاب Word Origins...And How We Know Them: Etymology for Everyone میں اسے ہجرتی الفاظ (migratory words) کہا ہے جو ہجرتی پرندے (migratory birds) کے انداز پر ہے اور خوب ہے[۱۰]۔

اسی طرح یہ تحقیق بھی ہوئی ہے کہ اشیاء (بالخصوص اشیائے تجارت) اور بعض تصورات کو دیے گئے نام کن برادریوں اور گروہوں کے زیرِ استعمال چلتے چلے آرہے ہیں اور یہ لفظ یا نام کس طرح ان لوگوں اور برادریوں کی نشان دہی کرتے ہیں جن سے یہ نام منسوب ہیں[۱۱]۔

گیان چند نے etymology کو "لفظ اصلیات" کہا ہے[۱۲]۔ گیان چند کے بقول etymos یونانی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں سچا، جبکہ logy یا logos لفظ کو کہتے ہیں چنانچہ etymology کے معنی ہوئے لفظ کی سچائی[۱۳]۔ لیکن یونان اور روم میں etymology کے معنی "کسی لفظ کے ابتدائی اور اصلی معنی تلاش کرنا" کے تھے لیکن بعد میں اس کے معنی "لفظوں کی اصل دریافت کرنا" کے ہوگئے۔ کسی لفظ کی اصلیت معلوم کرنا دراصل اس لفظ کی تاریخ معلوم کرنا ہے[۱۴]۔ پی ایچ میتھیوز کے مطابق جب یہ کہا جاتا ہے کہ اشتقاقیات (etymology) لفظوں کی اصلیت کے مطالعے کا نام ہے تو اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے کہ اس علم کا بس یہی کام ہے کہ وہ لفظوں کی اصل بتائے جبکہ درحقیقت اشتقاقیات کسی لفظ کی ان تاریخی اور قدیم شکلوں کے مطالعے کا نام ہے جس سے اس کا ارتقا ہوا ہے یا ممکنہ طور پر ہوا ہوگا[۱۵]۔

گویا اشتقاقیات کے دائرے میں کسی لفظ کی اصل کے علاوہ اس کی تاریخ بھی آجاتی ہے، یعنی کسی لفظ کی اصلیت اور اس کے ماخذ زبان کے علاوہ یہ مطالعہ کہ کسی لفظ نے کسی ایک زبان سے نکل کر دوسری زبان میں جا کر کون کون سی شکلیں بدلیں اور معنوی ، املائی اور صوتی لحاظ سے اس میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں[۱۶]۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو علم اشتقاق دراصل تاریخی لسانیات (historical linguistics) کے ذیل میں آجاتا ہے[۱۷]۔

اشتقاقی مطالعات: ایک مختصر تاریخ

قدیم روم کے لوگ ان یونانی الفاظ سے واقف تھے جو ان کی عام بول چال کی لاطینی میں جذب ہو گئے تھے نیز دنیا میں سفر کے ذرائع کے بڑھنے اور دوسری زبانوں کے علم کے حصول نے بھی اس شعور کو اجاگر کیا کہ کسی بھی زبان میں رائج کئی الفاظ نہ صرف یہ کہ مختلف زمانوں سے گزر کر آئے ہیں بلکہ ان میں سے کئی اصلاً متعدد زبانوں سے مستعار لیے ہوئے ہیں[۱۸]۔

لیکن مغرب میں اشتقاقی مطالعات کی تاریخ دیکھی جائے تو سب سے پہلے جو نام سامنے آتا ہے وہ ایزیدور (Isidore) کا ہے جو Isidore of Seville یعنی ''اشبیلیہ کا ایزیدور'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ وہ اشبیلیہ کا اُسقفِ اعظم (archbishop) تھا۔ مغربی دنیا کا یہ عالم (متوفی ۶۳۶ عیسوی) نہ صرف اپنے اس کام کے لیے معروف ہے جو دائرۂ معارف یعنی انسائیکلوپیڈیا کی نوعیت کا تھا بلکہ اس کام کے لیے بھی جو اس نے قدیم لفظوں بالخصوص لاطینی الفاظ کے اشتقاق کے ضمن میں کیا تھا[۱۹]۔

اشتقاقیات کے سلسلے میں اس کے بعد تیرھویں صدی عیسوی میں الفانسو دہم (Alfanso X) ، جو قشطلیہ (Castile) اور لیون (Leon) کا حاکم تھا، نے اپنے دربار کے علما کو دیگر علمی کاموں کے علاوہ اس امر کی بھی ذمے داری دی کہ وہ الفاظ اور ناموں کا درست مفہوم معلوم کریں[۲۰]۔ لیکن یورپ میں صحیح معنوں میں اشتقاقیات اور لفظوں کی اصل کا علم ۱۵۰۰ء اور ۱۸۰۰ء کے درمیان پروان چڑھا[۲۱]۔

انیسویں صدی میں عصریاتی فونیمیات (diachronic phonology) کے فروغ پانے سے بھی اشتقاقی مطالعات کو فروغ ملا۔ فرانز بوپ (Franz Bopp) (متوفی ۱۸۶۷ء)، جسے بابائے ہند یورپی تقابلی لسانیات کہا جاتا ہے، نے اگرچہ زیادہ زور قواعد اور قواعدی خصوصیات پر دیا لیکن ضمنی طور پر اس نے اشتقاقیات پر بھی کام کیا[۲۲]۔ اس کے بعد تو اشتقاقیات پر کام کرنے والے مغربی ماہرین کی ایک طویل فہرست ہے، جس کا ذکر یہاں ممکن بھی ہو تو ضروری نہیں ہے۔

اردو میں اشتقاقیات پر ابتدائی کام

اردو میں لکھی گئی باقاعدہ اشتقاقی لغات کے ذکر سے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ اس موضوع پر پہلے پہل کیا لکھا گیا۔ اگرچہ اس موضوع پر ہمارے ہاں سب سے پہلے سراج الدین علی خاں آرزو نے لکھا اور توافق اللسان پر ان کا کام ''مثمر'' کے نام سے ہے لیکن وہ کام فارسی میں ہے۔ اردو میں اشتقاقیات کے موضوع پر سب سے پہلے لکھنے والے محمد حسین آزاد تھے جنھوں نے اپنی کتابوں بالخصوص آبِ حیات اور سخن دانِ فارس میں الفاظ کے اشتقاق سے بحث کی[۲۳]۔ اس کے بعد سید احمد دہلوی نے فرہنگِ آصفیہ میں کئی الفاظ کے معنی لکھتے ہوئے ان کے اشتقاق اور اصل پر روشنی ڈالی ۔ وحید الدین سلیم نے اپنی کتاب وضعِ اصطلاحات میں دیگر مباحث کے ساتھ اشتقاق کے موضوع پر بھی کچھ روشنی ڈالی ہے[۲۴]۔ عبدالستار صدیقی نے اپنے مقالات میں بعض الفاظ کے اشتقاق اور جغرافیائی مقامات کی اصل پر نہایت عالمانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے[۲۵]۔ عبدالرشید ٹھٹھوی (مولف فرہنگِ رشیدی) کی کتاب معربات رشیدی میں ان الفاظ پر بحث کی گئی ہے جو غیر زبانوں بالخصوص فارسی کے ہیں لیکن عربی میں دخیل ہیں۔ اگرچہ یہ ایک پرانا کام تھا جو فارسی میں ہوا تھا لیکن عبدالستار صدیقی نے اسے مرتب کر دیا تھا۔ یہ طبع (print) تو ہو گیا تھا لیکن شائع (publish) نہ ہو سکا تھا۔ اسے مظہر محمود شیرانی نے مع اردو ترجمے کے مرتب کر دیا[۲۶]۔ یہ ایک اہم اور مفید کام ہے۔

پھر سید سلیمان ندوی نے اپنی بعض کتابوں خاص طور پر نقوشِ سلیمانی میں اس موضوع پر قابلِ قدر کام کیا[۲۷]۔ محمد بن عمر کی کتاب اردو میں یورپی زبانوں کے الفاظ میں بڑی تعداد میں اردو میں مستعمل ان الفاظ کی اصل بتائی گئی ہے جو انگریزی، فرانسیسی اور دیگر یورپی زبانوں سے اردو میں آئے ہیں[۲۸]۔ بعد ازاں شوکت سبزواری نے اردو نامہ میں اشتقاقیات کے عنوان سے کئی مضامین لکھے جن میں الفاظ سے بحث کرتے ہوئے ان کی اصل اور تاریخ کا بھی ذکر کیا ہے[۲۹]۔

لیکن ان میں سے کسی کو بھی اشتقاقیات کی فرہنگ کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کتب میں الفاظ سے متعلق بہت اہم، دل چسپ اور قابلِ قدر معلومات مل جاتی ہیں جن کی مدد سے اردو میں اشتقاقیات یا الفاظ کی اصل اور ان کی تاریخ پر کتاب بلکہ کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔

☆ الفاظ کے اشتقاق اور تحقیق کی فرہنگیں، اب ہم اردو میں الفاظ کے اشتقاق اور ان کی اصل کی وضاحت کرنے والی فرہنگوں کا احوال معلوم کرتے ہیں۔

۱۔ المفرد والمرکب (۱۶۔۱۹۱۷ء)

یہ اردو میں اس موضوع پر پہلی باقاعدہ کتاب ہے۔ اسے مولوی عبداللطیف نے مرتب کیا اور یہ پہلی بار حیدر آباد (جو پہلے دکن کا حصہ تھا اور اب ہندوستان کی ریاست آندھرا پردیش میں شامل ہے) سے شائع ہوئی۔ لوح پر ''مطبوعہ ذخیرہ پریس، حیدر آباد دکن'' درج ہے لیکن ناشر کا نام اور سالِ اشاعت درج نہیں۔ مولف کے نام کے ساتھ ''از دودمانِ مولوی غیاث الدین مولف غیاث اللغات'' تحریر ہے ۔ آخر میں قطعۂ تاریخ تالیف ہے جس سے ۱۳۳۵ ہجری کا سال نکلتا ہے ۔ عیسوی حساب سے اس کی تطبیق ۱۷۔۱۹۱۶ء سے ہوتی ہے۔

اس کتاب میں ایسے الفاظ کے مآخذ، الفاظ کی اصل اور اجزائے ترکیبی بتائے گئے ہیں جو دراصل مرکب ہیں اور دو الفاظ سے مل کر بنے ہیں لیکن صدیوں کے استعمال سے مل کر ایک ہو گئے ہیں اور اب ان کو مفرد سمجھا جاتا ہے۔ اس کی جو دل چسپ مثالیں کتاب میں دی گئی ہیں ان میں ''بیدار'' اور ''بیزار'' بھی شامل ہیں۔ آج کل الفاظ کو غیر ضروری طور پر توڑ کر لکھنے کی بدعت زور پکڑ رہی ہے اس کی لپیٹ میں لفظ بیدار اور لفظ بیزار بھی آگئے ہیں اور ان کو بے جا طور پر ''بے دار'' اور ''بے زار'' لکھا جا رہا ہے۔ لیکن اس کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ وہ الفاظ ہیں جن میں فارسی کا لاحقۂ فاعلی و نسبت ''آر'' موجود ہے۔ بقول مولف:

> ''بیدار (جو سویا ہوا نہو [کذا: نہ ہو])، مرکب ہے ، بید بہ معنی شعور و آگہی اور آر کلمۂ نسبت ہے یعنی ہوشیار''[۳۰]۔

اسی طرح بیزار کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''بیزار مرکب ہے، بیز قدیم فارسی میں سیری جس کے معنی دل بھر جانا ہیں اور آر کلمۂ فاعل ہے''[۳۱]۔

گویا الفاظ توڑ کر لکھنے کے غیر ضروری فیشن میں مبتلا حضرات اگر بیدار اور بیزار کو توڑ کر لکھنا ہی چاہتے ہیں تو انھیں ''بید آر'' اور ''بیز آر'' لکھیں ۔ اگرچہ یہ بھی بالکل غلط ہوگا اور تاریخ کا پہیہ الٹا گھمانے کی کوشش ہوگی ۔ اب فارسی میں بھی ان الفاظ کو اس طرح نہیں لکھا جاتا ۔ یہ الفاظ دو کلمات کے ادغام و انضمام سے بالکل ایک ہو چکے ہیں لیکن بغیر سوچے سمجھے ہر اردو لفظ کو عربی فارسی کے پیچھے چلانے کے شائق حضرات جو لفظوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر تلے رہتے ہیں ان الفاظ کو ''بے زار'' اور ''بے دار'' لکھ کر ہمیں بیزار کرتے رہیں گے حالانکہ اس

طرح "بے" ایک سابقے کا کام کرتا ہے۔ عرض ہے کہ ان لفظوں کو توڑ کر یعنی انھیں بے داراور بے زار لکھنے سے یہ الفاظ بے معنی ہو جاتے ہیں۔ ان کا صحیح املا بیداراور بیزار ہے (یعنی ملا کر)۔ بے داراور بے زار (یعنی توڑ کر) وہ نام نہاد الفاظ ہیں جو اردو تو کیا فارسی میں بھی وجود نہیں رکھتے۔

انگریزی میں تو پہلے یہ رجحان تھا کہ دو الفاظ کو الگ الگ لکھ کر یا درمیان میں چھوٹی سی لکیر (جس کو ہائفن hyphen کہتے ہیں) لگا کر مرکبات لکھے جاتے تھے لیکن اب جدید دور میں کئی انگریزی الفاظ کو ملا کر ایک لفظ کی طرح لکھا جارہا ہے، کیونکہ یہ الفاظ اب یک جان ہو کر ایک لفظ بن چکے ہیں۔ لیکن ہم اردو والے ہمیشہ سے تاریخ کا پہیہ الٹا گھمانے کے شوقین رہے ہیں سو اسی طرح گھماتے رہیں گے۔ اس کتاب کے مطالعے سے ایسے بہت سے مغالطے دور ہو جاتے ہیں جو الفاظ کو خوانخواہ توڑنے کی طرف راغب کرتے ہیں۔

۲۔ سرگزشتِ الفاظ (۱۹۲۳ء)

رچرڈ ٹرینچ (Richard Chenevix Trench) (۱۸۸۶ء۔۱۸۰۷ء) ایک مشہور پادری اور عالم زباں تھا۔ وہ اوکسفرڈ کی مشہور کلاں انگریزی لغت کی اس مشاورتی کمیٹی میں بھی شامل تھا جو ستر (۷۰) برسوں کی محنت کے بعد شائع ہوئی تھی۔ ٹرینچ کی کتاب "اسٹڈی اوف ورڈز" (Study of Words) بہت مشہور ہوئی اور اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے[۳۲]۔ یہ الفاظ اور ان کی اصل و ماخذ سے متعلق ہے۔

لاہور سے تعلق رکھنے والے معروف اہل قلم احمد دین (۱۹۲۹ء۔ ۱۸۶۶ء) نے جب ٹرینچ کی یہ کتاب پڑھی تو بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے اسی طرز پر اردو میں کتاب لکھنے کی ٹھانی جس میں عربی، فارسی، ترکی اور اردو الفاظ کی اصل اور ان کا اشتقاق بتایا جائے۔ چنانچہ انھوں نے سرگزشتِ الفاظ میں تقریباً ساڑھے چھے سو الفاظ کی اصل اور ان کی تاریخ بیان کی ہے۔ اس کا لاہور سے پہلا ایڈیشن ۱۹۲۳ء میں اور دوسرا ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ اسلام آباد سے ایک نیا ایڈیشن مشینی کتابت کے ساتھ شائع ہوا۔

۳۔ تحقیق اللغات (۱۹۶۳ء)

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ (متوفی ۱۹۷۷ء) گورنمنٹ کالج، لاہور، اور پنجاب یونی ورسٹی میں عربی کے پروفیسر رہے تھے۔ کئی زبانیں جانتے تھے۔ انھیں الفاظ کی اصل اور ان کی تاریخ واشتقاق سے بہت دل چسپی تھی۔ ان کی ایک مختصر سی مگر نہایت وقیع کتاب "تحقیق اللغات" کے نام سے ہے۔

مختلف زبانوں کے اردو میں مستعمل الفاظ اور اعلام کی دل چسپ اور تحقیق پر مبنی تاریخ بیان کی ہے۔ ایک خاص بات مصنف کے قلم سے اس کا انگریزی دیباچہ اور انگریزی کتابیات کی فہرست ہے، جس میں مختلف زبانوں کی سو (۱۰۰) سے زیادہ کتب کا حوالہ موجود ہے[۳۳]۔

۴۔ لفظوں کی انجمن میں (۱۹۹۶ء)

سید حامد حسین کی اس کتاب میں عنوان وار مختلف موضوعات پر الفاظ سے بحث کی گئی ہے۔ پہلی بار مکتبۂ جامعہ (دہلی) سے شائع ہوئی تھی۔ بعض امور میں کتاب مفید ہے لیکن مصنف کے بعض بیانات کی تصدیق کسی بھی علمی ماخذ سے نہیں ہوتی اور انھوں نے خود کسی کتاب کا حوالہ دینے کی زحمت نہیں فرمائی۔ بعض بیانات مختلف کتابوں سے بغیر حوالے کے نقل کردیے گئے ہیں۔ کہیں کہیں علم الاصنام (mythology) کے معروف قصے بھی بلا کسی دلیل کے پیش کردیے گئے ہیں[۳۴]۔ مصنف کا مذہبی تعصب بھی بعض مقامات پر جھلکتا ہے۔ غرض کتاب تحقیق طلب اور بحث طلب ہے[۳۵]۔

۵۔ پردہ اٹھادوں اگر۔۔۔ (۲۰۰۳ء)

کتاب کا پورا نام "پردہ اٹھادوں اگر چہرۂ الفاظ سے" ہے اور یہ اقبال کے ایک مصرعے میں معمولی سی تبدیلی کا نتیجہ ہے (بال جبریل میں شامل نظم مسجد قرطبہ کے مصرعے میں لفظ "افکار" ہے جسے "الفاظ" سے بدلا گیا ہے)۔ کتاب کے مصنف ف۔ رحیم کئی زبانوں کے الفاظ پر نظر رکھتے ہیں اور بعض الفاظ کی اصل کا سراغ دل چسپ انداز میں بیان کرنے میں کام یاب رہے ہیں۔ کتاب ہندوستان سے پہلی بار ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ لاہور سے بھی شائع ہوئی[۳۶]۔ اس لحاظ سے بہت مفید اور اہم ہے کہ اس میں مختلف زمانوں میں الفاظ کی بدلتی شکلوں اور مختلف زبانوں میں ان کے دخیل و مستعار ہونے سے متعلق اہم اور دل چسپ معلومات دی گئی ہیں۔ یہ اردو میں اشتقاقیات کی عمدہ کتابوں میں سے ایک ہے۔

۶۔ لفظوں کی کہانی لفظوں کی زبانی (۲۰۰۴ء)

یہ کتاب دراصل خالد احمد کی کتاب The Bridge of Words Between East and West کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کا اردو میں ترجمہ شیراز راز نے کیا ہے[۳۷]۔ کتاب خالد احمد کے انگریزی کے ان کالموں کا مجموعہ ہے جو مختلف زبانوں کے الفاظ، ان کی اصل اور دوسری زبانوں تک ان کی ہجرت کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ البتہ جن الفاظ سے بحث کی گئی ہے ان میں سے زیادہ تر ہند یورپی (Indo-European) خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ خالد احمد نے کوشش کی ہے ہند یورپی الفاظ کے اشتقاق اور اصلیت یا مادوں کو مقامی (اردو، ہندی، پنجابی، پشتو وغیرہ) میں تلاش کیا جائے۔ بعض اوقات وہ محض ظاہری شباہت کو دیکھ کر اٹکل سے کام لیتے ہیں اور ان کے تحقیق کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ایسے الفاظ سے متعلق ان کے اخذ کردہ نتائج کے بارے میں یقین سے کچھ کہنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ اس کا کوئی حوالہ وہ نہیں دیتے اور محض قیاس سے کام لیتے ہیں۔ ایسے اشتقاق کو تاریخی لسانیات والے قیاسی اشتقاق (speculative etymology) کہتے ہیں[۳۸]۔

البتہ خالد احمد بسا اوقات نہایت عالمانہ انداز میں لفظوں کی اصل دریافت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مطالعہ نہایت وسیع ہے۔ وہ کئی زبانیں جانتے ہیں اور اشتقاقیات کے موضوع پر انگریزی کی نادر کتابوں سے بہت کچھ اخذ کرتے ہیں۔ اردو میں اشتقاقیات کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں سب سے تحقیقی اسلوب اسی کتاب میں پایا جاتا ہے لیکن افسوس وہ حوالے اس طرح نہیں دیتے جس طرح علمی کاموں میں دیے جاتے ہیں اور دینے چاہئیں۔ اصل انگریزی کتاب اور اس کے اردو ترجمے کے عنوانات رمضامین میں خاصا تفاوت ہے، نجانے کیوں اور اس کی کوئی وضاحت بھی نہیں کی گئی۔

۷۔ سیاحتِ لفظی (۲۰۰۷ء)

ممتاز ڈاہر کی اس کتاب[۳۹] میں مختلف زبانوں کے اردو میں مستعمل الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے لیکن سابقوں اور لاحقوں کی طویل فہرستیں بھی دے دی ہیں حالانکہ ان کی ضرورت ویسے بھی نہیں تھی اور وحید الدین سلیم کی کتاب "وضع اصطلاحات" میں یہ سب موجود ہیں۔ سلیم کی اس کتاب کا بھی حوالہ نہیں دیا بلکہ حوالہ کسی کتاب کا نہیں دیا، صرف چند لغات کا نام آخر میں درج کردیا گیا ہے۔ اگرچہ بعض اندراجات دل چسپ اور اہم ہیں لیکن حوالوں کی عدم موجودگی اور غیر ضروری اندراجات نے کتاب کا تاثر کم کردیا ہے۔

۸۔ لفظوں کا دل چسپ سفر (۲۰۰۷ء)

ایس اے ہاشمی کی اس کتاب میں ایسے الفاظ کی تاریخ اور استعمال بیان کیا گیا ہے جو کسی ایک علاقے یا زبان سے سفر کرتے ہوئے کہیں اور پہنچے اور دوسرے علاقوں کے

رہنے والوں نے اپنی زبان کے لحاظ سے ان کے تلفظ یا مفہوم میں تبدیلیاں کردیں۔ ایسے کئی الفاظ کا اس کتاب میں ذکر ہے جو فارسی سے عربی میں گئے اور ان میں کچھ املائی رصوتیاتی تبدیلیاں ہوگئیں۔ کتاب دل چسپ ہے لیکن کسی بھی قسم کے حوالے یا سند سے عاری ہے[۴۰]۔

۹۔ ہیں کواکب کچھ (۲۰۰۷ء)

حسین امیر فرہاد نے اپنے عربی کے علم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس مختصر کتاب میں عربی کے متعدد الفاظ کی تشریح و اشتقاق بیان کیا ہے[۴۱]۔ لیکن افسوس کہ وہ اس مسلمہ اصول کو نظر انداز کردیتے ہیں کہ جو لفظ اردو میں آگیا اب وہ اردو کا ہے اور اب اس کا مفہوم، استعمال اور محاورات و مرکبات سب اردو کے لحاظ سے ہوں گے چاہے اصل زبان (مثلاً عربی یا فارسی) کے لحاظ سے وہ استعمال غلط ہی کیوں نہ ہوں۔ اردو میں بلا مبالغہ ایسے ہزاروں الفاظ ہیں جن کا تلفظ یا مفہوم یا دونوں بدل چکے ہیں لیکن انشاء اللہ خاں انشاء، مولوی عبدالحق، عبدالستار صدیقی اور سید سلیمان ندوی جیسے اہل علم نے اس بات کی تائید کی ایسے الفاظ کے تلفظ اور مفہوم کے لیے اردو میں رائج استعمال ہی درست اور سند ہوگا۔

مولف حسین امیر فرہاد ابتدا ہی میں لکھتے ہیں کہ ''جلوس جارہا تھا' صریحاً غلط ہے کیونکہ [عربی میں] جلوس بیٹھنے کو کہتے ہیں''۔ عرض ہے کہ ایسے الفاظ اردو میں ہزاروں ہیں جن کا تلفظ اور مفہوم اصل زبان (مثلاً عربی یا فارسی) سے بہت مختلف ہے لیکن وہ ''صریحاً غلط'' اس لیے نہیں ہیں کہ وہ اردو میں استعمال ہورہے ہیں نا کہ اصل زبان میں۔ لہٰذا وہ اب درست اور فصیح ہیں۔ ہاں جب ہم انھیں عربی یا فارسی میں استعمال کریں گے تو ان زبانوں کے استعمال کو ملحوظ رکھیں گے، البتہ فی الحال تو اردو میں استعمال کررہے ہیں اس لیے اردو کے لحاظ سے وہ بالکل درست ہیں اور ''جلوس جارہا تھا'' بھی سو فی صد درست ہے۔ فرانسیسی کے ہزاروں الفاظ انگریزی میں مستعمل ہیں اور ان میں سے کئی کا تلفظ اور مفہوم اب انگریزی میں وہ نہیں رہا جو فرانسیسی میں ہے۔ کیا وہ بھی ''صریحاً غلط'' ہیں؟

اگر ہمیں ہر لفظ کے لیے عربی کی طرف دیکھنا ہے تو پھر عربی ہی کیوں نہ بولیں۔ پھر اردو کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اردو اب ایک خود مختار زبان ہے اور عربی فارسی کے قواعد کا اس پر اطلاق نہیں ہوسکتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح انگریزی میں لاطینی، یونانی اور فرانسیسی زبانوں کے قواعد اور ان کے انگریزی میں دخیل الفاظ کی اصل اور اشتقاق کو نظر انداز کرکے انگریزی کے لحاظ سے ان کا تلفظ اور استعمال روا رکھا گیا ہے۔ بقول سید سلیمان ندوی ان الفاظ کو ''اگر ہم ان کی اصلی شکلوں میں لکھنے اور بولنے لگیں تو خود ہماری زبان کی حکومت ہمارے ملک سے اٹھ جائے گی''[۴۲]۔

بہرحال کتاب مفید ہے اور اس طرح کے مباحث سے قطع نظر بعض الفاظ کے اشتقاق سے متعلق گفتگو اہم ہے۔

۱۰۔ اشتقاقی لغت (۲۰۰۵ء)

سہیل بخاری کی کتاب ''اشتقاقی لغت'' انجمن ترقیٔ اردو کے رسالے ''اردو'' میں شائع ہوئی اور الگ کتابی صورت میں اشاعت کا کام بوجوہ ٹل گیا۔ آخر جامعہ کراچی کے شعبۂ تصنیف و تالیف کے رسالے ''جریدہ'' میں نظر ثانی شدہ صورت میں چھپی[۴۳] (یہ پورا شمارہ اسی کتاب پر مبنی ہے)۔

سہیل بخاری لسانیات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ہندی اور سنسکرت سے بھی بخوبی واقف تھے۔ ان کا ایک خاص نظریہ صوتی تبادل اور آوازوں کی تقلیب رسقوط کا تھا جس پر انھوں نے اپنی کتاب تشریحی لسانیات میں تفصیل سے بات کی ہے[۴۴]۔

لیکن سہیل بخاری نے اپنی کئی تحریروں میں ہندی اور سنسکرت کے ایسے الفاظ غیر ضروری طور پر ٹھونس ٹھونس کر استعمال کیے ہیں جو اردو میں شاذ و نادر استعمال ہوئے ہیں اور بعض تو بہت ہی نامانوس اور غریب معلوم ہوتے ہیں جس سے اچھی خاصی کتابوں کا بھی ستیاناس ہوگیا ہے کیونکہ ان کے خاصے حصے عام قاری کیا اردو کے ہم جیسے طالب علموں کے لیے بھی ناقابلِ فہم ہوگئے ہیں۔ مثلاً وہ مصوتوں اور مصمتوں کو ''سر'' اور ''اسر'' لکھتے ہیں جبکہ اردو میں واول اور کونسوننٹ تو پھر بھی قابل فہم ہیں لیکن ان اصطلاحات سے الجھن ہوتی ہے۔ ان کی اس طرح کی اصطلاحات اور سنسکرت آمیز اردو لکھنے کا شوق قاری کی راہ میں روڑے بلکہ پہاڑ کھڑے کردیتا ہے۔

افسوس کہ اتنا اہم اور وقیع علمی ذخیرہ بخاری صاحب کی علمی بوقلمونی کے اس شوق کی نذر ہوگیا۔ لیکن اس کتاب کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ سہیل بخاری صاحب کی جیسی نظر خالصتاً مقامی (سنسکرت رپراکرت رہندی راردو) الفاظ پر تھی اور جس طرح انھوں نے اس کتاب میں ان الفاظ کے معنی اور ان کا اشتقاق بیان کیا ہے وہ اردو میں کم از کم دورِ حاضر میں بلکہ پچھلے دور میں بھی نایاب نہیں تو کم یاب ضرور تھا۔ اگر وہ عام فہم اردو میں یا مروج زبان میں لسانیات کی کتابیں (اور اس کتاب کا مقدمہ بھی) لکھ دیتے تو ان کی بات کا ابلاغ بھی ہوجاتا اور بہتوں کا بھلا بھی ہوتا۔

اس کتاب میں بخاری صاحب نے بتایا ہے کہ سنسکرت کے قواعد نویسوں نے الفاظ کی تین قسمیں بتائی ہیں، ایک تت سم یعنی وہ الفاظ جو سنسکرت میں بھی اسی روپ میں ملتے ہیں (یعنی اسی شکل میں جس میں وہ پراکرت یا اردو یا ہندی وغیرہ میں آگئے ہیں)، دوسرے تدبھو یعنی وہ الفاظ جو سنسکرت میں کچھ اور شکل میں تھے اور پراکرت یا اردو یا ہندی میں بدلی ہوئی حالت میں ملتے ہیں اور تیسرے دیسی یعنی پراکرت کے الفاظ جو سنسکرت میں وجود نہیں رکھتے اور اردو یا دوسری زبانوں میں موجود ہیں[۴۵]۔

لیکن خود انھوں نے اردو الفاظ کی چار قسمیں بتائی ہیں: ایک، دیسی یعنی وہ الفاظ جو صرف اردو میں ہیں اور اردو کے سوا کسی اور مقامی زبان یا بولی میں ان کا چلن نہیں، جیسے بھڑ بھونجا۔ دو، بدیسی یا دخیل یعنی وہ الفاظ جو دوسری زبانوں (فارسی یا عربی یا انگریزی وغیرہ) سے اردو میں آگئے، جیسے خوش (فارسی)، مطلوب (عربی) اور اسٹیشن (انگریزی) وغیرہ۔ تین، موزد یعنی وہ الفاظ جنھیں اردو والوں نے اپنے لہجے کے مطابق ڈھال لیا ہے جیسے فیر (فائر)۔ چار، دخیل نما یعنی وہ دیسی الفاظ جن میں اردو والوں نے عربی فارسی کی آوازیں (ق، خ وغیرہ) رکھ کر ان کی شکل بدل دی ہے، جیسے خرانٹ[۴۶]۔

اس عالمانہ مقدمے کے بعد لغت ہے جس میں اردو الفاظ کا تلفظ، اشتقاق اور معنی دیے گئے ہیں۔ بعض الفاظ کے ایک سے زیادہ معنی بھی درج ہیں۔ اردو کے قواعد نویسوں، لغت نویسوں اور اردو لسانیات پر کام کرنے والوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے کیونکہ یہ تفہیم کی نئی راہیں کھولتی ہے۔

ان کتابوں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اردو میں اشتقاقیات کی فرہنگیں موجود ہیں۔ اشتقاقیات کی تعریف پر یہ سب مکمل طور پر تو پوری نہیں اترتیں لیکن بہرحال ان میں الفاظ کی تاریخ، ان کے ارتقا، ان کی بدلتی شکلوں، بدلتے مفاہیم اور شکل بدلتے املا و تلفظ سے متعلق اہم اور بنیادی مباحث ضرور مل جاتے ہیں۔

حواشی:

۱۔ فلپ ڈرکن، (Philip, Durkin)، The Oxford Guide to Etymology (نیویارک:اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۹ء)، ص۱۔
۲۔ ایضاً، ص۲۔
۳۔ ایضاً۔
۴۔ یاکوول کیل، (Yakov Malkiel)، Etymology، (کیمبرج: کیمبرج یونی ورسٹی پریس، ۱۹۹۳ء)، ص۴۔
۵۔ ایضاً، ص۱۔
۶۔ ایضاً، ص۲۔
۷۔ ایضاً۔
۸۔ ایضاً۔
۹۔ ایضاً۔
۱۰۔ (نیویارک:اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۹ء)، ص۱۴۳۔

۱۱۔ یاکوول کیل، (Yakov Malkiel) ،Etymology ، محولۂ بالا، ص۳۔۴

۱۲۔ گیان چند جین، عام لسانیات (دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۵ء)، ص۵۶۱۔

۱۳۔ ایضاً۔

۱۴۔ ایضاً۔

۱۵۔ پی، ایچ، میتھیوز، (P.H.Methews) ، Oxford Concise Dictionary of Linguistics (نیویارک: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۱۹۹۷ء)، ص۱۱۹۔

۱۶۔ فلپ ڈرکن، محولۂ بالا، ص۳۔

۱۷۔ ایضاً، ص۴۔

۱۸۔ یاکوول کیل، (Yakov Malkiel) ، محولۂ بالا، ص۳۔۴

۱۹۔ ایضاً، ص۳۔۴

۲۰۔ ایضاً۔

۲۱۔ ایضاً، ص۴۔

۲۲۔ ایضاً، ص۹۔

۲۳۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: رؤف پاریکھ، محمد حسین آزاد اور تحقیقِ لغات، مشمولہ آزاد صدی مقالات (مرتبہ تحسین فراقی و ناصر عباس نیر)، (لاہور: شعبۂ اردو، پنجاب یونی ورسٹی، ۲۰۱۰ء)، ص ۲۶۷۔۲۶۰

۲۴۔ وضعِ اصطلاحات کا نیا ایڈیشن کراچی سے انجمن ترقی اردو پاکستان نے ۲۰۱۷ء شائع کیا ہے۔

۲۵۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے مقالات کی پہلی جلد لکھنؤ سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی تھی اب اس کا نیا ایڈیشن نیز جلد دوم بھی مجلس ترقی ادب (لاہور) نے شائع کر دی ہے۔

۲۶۔ دیکھیے: معربات رشیدی (مرتبہ عبدالستار صدیقی، مدونہ مظہر محمود شیرانی)، (کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۲۰۰۳ء)۔

۲۷۔ سید سلیمان ندوی نے جن لفظوں کی اصل پر بحث کی ہے انھیں سید حامد حسین نے اپنے ایک مقالے بعنوان علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیقاتِ الفاظ اردو میں جمع کیا ہے۔ دیکھیے: خدا بخش لائبریری جرنل (پٹنہ)، شمارہ ۹۶، ۱۹۹۴ء، ص ۱۲۰۔۵؛ نیز عبیداللہ کوثی ندوی کا مقالہ مولانا سید سلیمان ندوی کی سیرۃ النبی میں اردو زبان میں مستعمل الفاظ کی تحقیق، مشمولہ سید سلیمان ندوی (مرتبہ خلیق انجم)، (لاہور: مکتبۂ خلیل، ۱۴۰۷ہجری)، ص ۲۰۱۔۱۶۹۔

۲۸۔ محمد بن عمر، اردو میں دخیل یورپی الفاظ (حیدرآباد دکن: مطبع ابراہیمیہ، ۱۹۵۵ء)۔

۲۹۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: شوکت سبزواری، اشتقاقیات، (سہ ماہی) اردو نامہ (کراچی: ترقیِ اردو بورڈ)، شمارہ ۱۱ تا ۱۸، نیز شمارہ ۲۱ تا ۲۶؛ شمارہ ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۴۔

۳۰۔ عبداللطیف، المفرد المرکب (حیدرآباد (دکن)، ذخیرہ پریس، ۱۷۔۱۹۱۶ء، ص۲۳۔

۳۱۔ ایضاً۔

۳۲۔ رچرڈ ٹرینچ کی اس کتاب کا پورا نام On the Study of Words ہے اور اس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا تھا۔ مرحوم مشفق خواجہ صاحب کے کتب خانے میں اس کی عکسی نقل موجود تھی جوان کی عنایت سے راقم کی نظر سے گزری اور اس عکسی نقل کی عکسی نقل بھی موجود ہے۔ یہ اس کا انیسواں ایڈیشن تھا جو لندن سے کیگن پال ٹرینچ ٹرنبر اینڈ کمپنی نے ۱۹۱۴ء میں شائع کیا تھا۔

۳۳۔ ملاحظہ ہو: شیخ عنایت اللہ، تحقیق اللغات (لاہور: ناشر ندارد، ۱۹۶۳ء)۔

۳۴۔ رؤف پاریکھ، عصری ادب اور سماجی رجحانات (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۳ء)، ص۵۰۔۴۷

۳۵۔ دیکھیے: سید حامد حسین، لفظوں کی انجمن میں (دہلی: مکتبۂ جامعہ، ۱۹۹۶ء) [پہلا ایڈیشن]۔

۳۶۔ ف۔ عبدالرحیم، پردہ اٹھادوں اگر چہرۂ الفاظ سے (لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۳ء)۔

۳۷۔ (لاہور: مشعل بکس، ۲۰۰۴ء)۔

۳۸۔ مثلاً: اناطولی لبرمین (Anatoly Liberman) نے اپنی کتاب Word Origins...And How We Know Them : Etymology for Everyone میں بعض الفاظ کے اشتقاق کا ذکر کرتے ہوئے یہ اصطلاح استعمال کی ہے، (نیویارک: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۹ء)، ص۱۴۷۔

۳۹۔ (ملیسی: شرجیل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)۔

۴۰۔ (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۰۷ء)۔

۴۱۔ حسین امیر فرہاد، ہیں کواکب کچھ (کراچی: ناشر وسن ندارد)۔

۴۲۔ نقوشِ سلیمانی (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۷ء)، ص ۳۲۱ [دوسرا پاکستانی ایڈیشن]۔

۴۳۔ شمارہ ۳۱، ۲۰۰۵ء۔

۴۴۔ (کراچی: فضلی سنز، ۱۹۹۸ء)۔

۴۵۔ جریدہ، شمارہ ۳۱، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، جامعہ کراچی، ۲۰۰۵ء، ص۲۵۔

۴۶۔ ایضاً۔

مآخذ:

۱۔ بخاری، سہیل، اشتقاقی لغت، مشمولہ جریدہ (کراچی)، شعبۂ تصنیف وتالیف وترجمہ، جامعہ کراچی، شمارہ ۳۱، ۲۰۰۵ء۔

۲۔ بخاری، سہیل، تشریحی لسانیات، کراچی: فضلی سنز، ۱۹۹۸ء۔

۳۔ پاریکھ، رؤف، عصری ادب اور سماجی رجحانات، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۳ء۔

۴۔ پاریکھ، رؤف، محمد حسین آزاد اور تحقیق لغات، مشمولہ آزاد صدی مقالات (مرتبہ تحسین فراقی و ناصر عباس نیر)، (لاہور: شعبۂ اردو، پنجاب یونی ورسٹی، ۲۰۱۰ء)، ص ۲۶۷۔۲۶۰

۵۔ ٹرینچ، رچرڈ (Trench, Richard Chenevix) ، On the Study of Words لندن: کیگن پال ٹرینچ ٹرنبر اینڈ کمپنی، ۱۹۱۴ء [انیسواں ایڈیشن]۔

۶۔ مشفق خواجہ، رشید، معربات رشیدی (مرتبہ عبدالستار صدیقی، مدوّنہ مظہر محمود شیرانی)، کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۲۰۰۳ء۔

۷۔ جین، گیان چند، عام لسانیات، دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۵ء۔

۸۔ حسین، سید حامد، علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیقاتِ الفاظ اردو، مشمولہ، خدا بخش لائبریری جرنل (پٹنہ)، شمارہ ۹۶، ۱۹۹۴ء، ص ۱۲۰۔۵

۹۔ حسین، سید حامد، لفظوں کی انجمن میں، دہلی: مکتبۂ جامعہ، ۱۹۹۶ء۔

۱۰۔ ڈاہر، ممتاز، سیاحتِ لفظی، ملیسی: شرجیل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء۔

۱۱۔ ڈرکن، فلپ ، (Durkin, Philip) ، The Oxford Guide to Etymology ، نیویارک: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۹ء۔

۱۲۔ راز، شیراز (مترجم)، لفظوں کی کہانی لفظوں کی زبانی (مصنفہ خالد احمد)، لاہور: مشعل بکس، ۲۰۰۴ء۔

۱۳۔ سبزواری، شوکت، اشتقاقیات، (سہ ماہی) اردو نامہ (کراچی: ترقی اردو بورڈ)، شمارہ ۱۱ تا ۱۸، نیز شمارہ ۲۱ تا ۲۶؛ شمارہ ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۴۔

۱۴۔ سلیم، وحیدالدین، وضع اصطلاحات، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۷ء [اشاعتِ نو]

۱۵۔ صدیقی، عبدالستار، مقالاتِ صدیقی، ج ۱، لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکیڈمی، ۱۹۸۳ء۔

۱۶۔ صدیقی، عبدالستار، مقالاتِ صدیقی، ج ۲ (مرتبہ ساجد صدیق نظامی)، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۵ء۔

۱۷۔ عبدالرحیم، ف، پردہ اٹھادوں اگر چہرۂ الفاظ سے، لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۳ء۔

۱۸۔ عبداللطیف، المفرد المرکب ،حیدرآباد (دکن) ذخیرہ پریس، ۱۷۔۱۹۱۶ء۔

۱۹۔ عمر، محمد بن ، اردو میں دخیل یورپی الفاظ ،حیدرآباد دکن: مطبع ابراہیمیہ، ۱۹۵۵ء۔

۲۰۔ عنایت اللہ، شیخ، تحقیق اللغات، لاہور: ناشر ندارد، ۱۹۶۳ء۔

۲۱۔ فرہاد، حسین امیر، ہیں کواکب کچھ، کراچی: ناشر وسن ندارد۔

۲۲۔ لبرمین، اناطولی (Liberman, Anatoly) ، Word Origins...And How We Know Them : Etymology for Everyone ، نیویارک: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۹ء۔

۲۳۔ ل کیل، یاکو، (Yakov, Malkiel) ، Etymology ، کیمبرج: کیمبرج یونی ورسٹی پریس، ۱۹۹۳ء۔

۲۴۔ میتھیوز، پی، ایچ، (Metthews, P.H.) ، Oxford Concise Dictionary of Linguistics ، نیویارک: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۱۹۹۷ء۔

۲۵۔ ندوی، سید سلیمان، نقوشِ سلیمانی، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۷ء [دوسرا پاکستانی ایڈیشن]۔

۲۶۔ ندوی، عبیداللہ کوثی ، مولانا سید سلیمان ندوی کی سیرۃ النبی میں اردو زبان میں مستعمل الفاظ کی تحقیق، مشمولہ سید سلیمان ندوی (مرتبہ خلیق انجم)، لاہور: مکتبۂ خلیل، ۱۴۰۷ ہجری، ص ۲۰۱۔۱۶۹۔

۲۷۔ ہاشمی، ایس اے، لفظوں کا دل چسپ سفر، کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۰۷ء۔

☆☆☆